بار : اوّل
سن اشاعت : جون سنہ ۱۹۹۴ء
تعداد : ایک ہزار
کتابت : یوسف رضا
۲/۲/۲۷۹ ـ ۵ ـ ۱۳، تعلیم عملہ پور
کاروان، حیدرآباد ۵۰۰۲۶۷
قیمت : پانچ روپے
ناشر : خیری پبلی کیشنز "بیت الخیر"
رسالہ بازار - گولکنڈہ،
حیدرآباد ۵۰۰۰۰۸

ملنے کے پتے :
۱- حدیث پبلی کیشنز، وادیٔ حدیث
جل پلی، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۵
۲- رؤف خیر، بیت الخیر ۱۹/۲۰۲ ـ ۱۰ ـ ۹
رسالہ بازار، گولکنڈہ، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۸

رؤف خیر
ایم اے (عثمانیہ)

سے منوا کر مسلمانوں میں رائج کر دیں اس طرح یہ بنیادی بے گمراہ عقائد و اعمال پر مشتمل تھا "تصوف" کے نام سے مسلمانوں میں رائج ہو گیا۔ صوفیوں نے سب سے پہلے تقدس و تقوی کا لبادہ اوڑھا اور نئی نئی قسم کی عبادتیں کیں۔ صلوٰۃ معکوس ایجاد کی پہلے کئے سخت مجاہدے کیے اور ریاضتیں کیں، راہبانہ اور تجرد کی زندگی گزاری جس کی وجہ سے عوام ان سے متاثر ہونے لگے مسمیریزم، ہپناٹزم، حبس دم وغیرہ امور کے ذریعہ اپنے اندر ایک غیر مرئی طاقت پیدا کی جو "کرامات" کی صورت میں عوام کو مرعوب کیا کرتی تھی جب عوام پوری طرح قابو میں آجاتے تھے تو ان سے رازداری اور استقامت کا امتحان ضروری طور پر لیا جاتا تھا اور اس کے لئے وہ اپنی رسالت کا اقرار کروانے تک سے نہیں چوکتے تھے۔ چنانچہ خواجہ گیسو دراز نے اپنی کتاب "جوامع الکلم" میں ایک شخص کا ذکر کیا ہے کہ وہ شیخ ابوبکر شبلی کا مرید ہونے کے لئے آیا تو انہوں نے اس سے "لا الٰہ الا اللہ شبلی رسول اللہ" کہا کر یہ کلمہ پڑھوایا تھا لیکن ابھی مسلمانوں کی اکثریت میں ایمان کی حرارت باقی تھی اس لئے یہ کام بڑی رازداری اور ہوشیاری سے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و سلّم نے فرمانِ باری تعالیٰ "فاصدع بما تؤمر" (سورۃ الحجر) کی تعمیل میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور دین کی باتیں ببانگِ دہل لوگوں تک پہنچائیں، کسی بات کو آپ نے راز نہیں رکھا۔ ایسا قطعاً نہیں ہوا کہ آپ نے کسی خاص صحابی کو دین کی کوئی بات بتائی ہو اور کسی سے اس کو چھپایا ہو۔ اسلام کی پہلی اور دوسری صدی میں دین اور شریعت کے نام سے جو تعلیم عام دی جاتی تھی "تصوّف" کا کوئی تصوّر نہیں تھا۔ تیسری صدی کے اوائل میں "تصوّف" نے اپنے بال و پر نکالے۔ ایرانیوں، مجوسیوں یہودیوں کی ایک بڑی جماعت نے منافقانہ طور پر اسلام قبول کر لیا۔ ان کا مقصدِ اصلی یہ تھا کہ کسی طرح اپنے مشرکانہ عقائد اور اعمال کو اسلام کی چھاپ لگا کر اور موضوع و من گھڑت احادیث

کیا جاتا تھا۔ وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود، فنا اور بقا وغیرہ کی تعلیم اسلامی مدرسوں میں نہیں ہو سکتی تھی اس لئے اس تعلیم کے لئے علیحدہ مدرسے قائم کئے گئے جہاں علم کتاب کی بجائے علم سینہ دیا جاتا تھا۔ ان مدرسوں کو "خانقاہ" کہا جانے لگا۔ صلوٰۃ معکوس، ذکرِ جہر، ذکر دو ضربی، چہار ضربی، پاس انفاس، حبسِ دم اور قوت متخیلہ اور قوت متفکرہ کو بڑھانے کے مشاغل والی عبادتیں عام مساجد میں نہیں ہو سکتی تھیں اس لئے جنگلوں، پہاڑیوں اور دروں کو ان کے لئے منتخب کیا گیا۔ مرورِ زمانہ کی وجہ سے جیسے جیسے مسلمانوں کی ایمانی حرارت کم ہونے لگی، جمود اور مرعوبیت کی راکھ ایمان کی چنگاریوں کو بجھانے لگی، "تصوف" کا کاروبار چمکنے لگا۔ عوام مساجد کو چھوڑ کر خانقاہوں کی طرف لپکنے لگے اور مسجدیں بے ذوق سجدوں کے لئے رہ گئیں۔ علم و حکمت تزکیۂ نفس، تصفیۂ روح اور تسکینِ قلب کی مراکز صرف خانقاہیں ہو گئیں۔ چوتھی، پانچویں صدی ہجری میں تو خانقاہی نظام اس زور و شور سے عالمِ اسلام میں نمودار ہوا کہ بے شمار صالح مسلمان اور جلیل القدر علماء بھی اس نظام سے وابستہ ہو گئے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی جیسے شخص نے بھی خانقاہی نظام سے وابستگی کے بغیر قلب و روح کی تسکین نہیں محسوس کی اور بوعلی فارمدی کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ جلال الدین رومی نے صاف کہہ دیا:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم   تا غلام شمس تبریزی نشد

فخر الدین رازی نے شیخ نجم الدین کبریٰ کا ہاتھ تھام لیا۔ بوعلی سینا شیخ ابوالحسن خرقانی کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ اس کے بعد سے "حق کی جستجو" اور "پیر کامل کی تلاش" کا ایسا سلسلہ چلا کہ اس کے بغیر سارا دین و ایمان، علم و عمل اور زہد و تقویٰ ٹھپ ہو کر رہ گیا۔ بڑے بڑے علماء و زہاد نے جہاں کسی "پیر کامل" کو پایا اپنا جبہ و دستار اس کے قدموں میں ڈال دیا۔ اس خاکسار نے قوالیوں میں ایسے اشعار خوب سنے ہیں اور ان پر وجد و تواجد کے خوب مناظر دیکھے ہیں ؎

مست گشتم از دو چشمے ساقی پیمانہ نوش
الفراق اے ننگ و ناموس الوداع اے عقل و ہوش
زہد و تقویٰ بر فگندم زیر پائے آں صنم
مذہبم عشق است در رندی مشربم جوش و خروش

خوشا رندی کہ پامالش کنم صد پارسائی را !
زہے تقویٰ کہ من با جبہ و دستار می رقصم
بیا جاناں تماشہ کن کہ در انبوہ جاں بازاں
بصد سامان رُسوائی سرِ بازار می رقصم

علمِ لدُنّی یا علمِ سینہ دراصل کوئی چیز نہیں۔ حقیقی علم و معرفت وہی ہے جو قرآن پاک میں بالکل واضح لفظوں میں موجود ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ (سورہ حٰم پ۲۴) قرآن پاک میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو صرف خواص کے لئے ہو اور عوام سے اس کو پوشیدہ رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرمایا۔ "ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر (سورہ قمر) اس لئے دین میں ایسا کوئی علم قرار دینا جو خواص کے لئے ہو یا اس کی تعلیم راز داری کی بیعت لے کر دی جائے ۔ ان آیات پاک کی کھلی تکذیب ہے لیکن علم سینہ اور علم لدنّی ہی کی اشاعت کے لئے

پیری مریدی کا سلسلہ چل پڑا۔

تزکیہ نفس و تصفیہ روح کے لئے اپنے آپ کو کسی ایک شخص کے حوالے کر دینے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے بیش مرد کامل یا مال اور "کالمیتہ فی ید الغسال" ہو جانے کا قرآن پاک میں کہیں حکم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یَآاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ۔

(سورہ توبہ) اس آیت پاک میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ صادقین یعنی صالحین کی صحبت اختیار کریں۔ مومنین صالحین کی ۔ بت ں میں ایمان و تقویٰ قائم رہ سکتا ہے۔ یہاں صادقین کا لفظ یعنی اسم جمع استعمال کیا گیا ہے اور معیت یعنی صحبت کا حکم ہے جس کے لئے بیعت و سپردگی کی شرط نہیں ہے۔ اچھی صحبت کے اچھے ثمرات سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام میں ایک دوسرے سے علمی و اخلاقی استفادہ کرتے اور باہمی تعلیم و تربیت کرنے کا طریقہ رائج رہا۔ مروجہ پیری مریدی کے تصور سے یہ اکابر بالکل نا آشنا تھے۔

عہدِ صحابہ میں صرف امیر المومنین خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ پر بیعت ہوتی تھی جس کا مقصد ملکی استحکام، قیام امن و امان، اجراء حدود اور تحفظِ سرحدات ہوتا تھا۔ اور اس بیعت کی اس قدر اہمیت تھی کہ ایک خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت ہو جانے کے بعد کوئی دوسرا شخص بیعت لے تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کر دینے کا حکم دیا تھا۔

ایک امیر المومنین خلیفۃ المسلمین کی بیعت پر اتفاق ہو جانے کے بعد سب سے پہلے جس شخص نے مملکت اسلامیہ میں انتشار پیدا کرنے اور امیر المومنین کا تختہ اُلٹنے کے لئے انڈر گراؤنڈ بیعت لی وہ مسلم بن عقیل تھے لیکن نصرتِ ربانی سے محرومی کے باعث وہ اپنے مشن میں کامیاب نہ ہو سکے اور گورنر کوفہ ابنِ زیاد نے مذکورہ بالا حکمِ رسول کی تعمیل میں ان کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد سے "انڈر گراؤنڈ" بیعتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ امیر المومنین ہشام بن عبدالملک کے عہد میں جناب زید بن علی نے بھی یہی کام کیا اور ہزیمت اٹھا کر مقتول ہوئے۔ مشہور ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے اس خروج کے لئے ان کی کافی مالی مدد کی۔ (یہ

روایت اس خاکسار کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے) یہاں سے بیعت کے ساتھ ساتھ "نذرانوں" کی شکل میں مالی امداد دینے کا بھی سلسلہ چل پڑا۔ خواجہ گیسو دراز فرماتے ہیں:

"اہل بیت پر امامت مخفی چلی آرہی تھی۔ لوگ ان سے پوشیدہ بیعت کرتے اور خفیہ طور پر خراج ادا کرتے تھے۔"

(جوامع الکلم۔ مترجمہ۔ حصہ اول، صفحہ ۱۴۲)

۶۰ھ کے بعد سے اہل بیت کے بزرگوں کو وقتاً فوقتاً مخفی بیعت کر کے اور ان کے لئے رقمیں فراہم کر کے اموی و عباسی خلافتوں میں انہیں کھڑا کیا جاتا رہا۔ جس کا نتیجہ ملتِ اسلامیہ میں انتشار اور خود ان کی ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہوتا تھا۔ تیسری صدی ہجری کے وسط تک جب اس قسم کی ساری کوششیں ناکام ہوگئیں تو ان بیعتوں کو سیاسی رنگ دینے کی بجائے تزکیۂ نفس، تصفیۂ روح اور سلوک الی اللہ کا رنگ دیا گیا اور ان کا سلسلہ بھی اہل بیت کے بزرگوں سے جوڑ دیا گیا۔ رفتہ رفتہ سلاسل، خانوادے اور گروہ وجود میں آئے۔ تزکیۂ نفس، تصفیۂ روح اور سلوک

الی اللہ کے بھاری بھر کم ناموں کی وجہ سے چوتھی اور پانچویں صدی میں بے شمار صالحین، جیّد علماء بھی ان سلسلوں سے وابستہ ہو گئے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پیری مریدی کی ابتدا خواہ کسی مقصد سے ہوی ہو لیکن اس پر ایک ایسا دور بھی آیا ہے کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ بھی پہنچا۔ خانقاہی نظام سے وابستہ ایک طبقے نے اپنے اپنے دور میں اصلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

جناب رؤف خیر صاحب نے اپنے مقالے میں حضرت مجدّد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کا ذکر اس ضمن میں کیا ہے اور ساتھ ہی اس تلخ حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اب یہ خانقاہی نظام اپنی افادیت کھو چکا ہے۔ اخلاص کی جگہ ریا، اخفا کی جگہ نمود اور للّٰہیت کی جگہ دنیا طلبی نے لے لی ہے۔ بلاشبہ اب یہ اس لائق ہے کہ اس کو خیر باد کہہ دیا جائے۔ اِس زمانے میں مسلمانوں کے لئے اُسی دور کی اتباع مفید ہو گی جبکہ خانقاہی نظام کا کوی تصوّر نہیں تھا۔

جس طرح کہ اوپر بیان کیا گیا ہے "انڈر گراؤنڈ" بیعتوں کا سلسلہ صرف مملکت اسلامیہ میں انتشار پیدا کرنے اور امیر المومنین کا تختہ اُلٹنے کے شروع ہوا تھا۔ سلاطین و امراء کی نظر میں یہ طریقہ اطمینان بخش نہیں رہا۔ حکام و سلاطین ایسے شیوخ طریقت سے ہمیشہ اندیشے محسوس کرتے تھے، جن کا حلقۂ ارادت وسیع ہو جاتا تھا۔ عام طور پر جس کسی شیخ کا اثر و رسوخ عوام میں بڑھ جاتا تھا اور اس کے مریدوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی تھی وہ حکومتِ وقت کی نظروں میں کھٹک جاتا تھا۔ بادشاہ وقت کے لئے دو صورتیں سامنے آجاتی تھیں یا تو وہ اس شیخ سے ٹکر لے یا پھر خود بھی ان کے مریدوں میں شامل ہو جاتے۔ عام طور پر ایسے مواقع پر بادشاہوں نے مصلحتہً عقیدت کا اظہار کر کے اپنی گدی کی حفاظت کر لی۔ جن بادشاہوں نے ٹکر لی انہیں نقصان اٹھانا پڑا۔ فی الوقت دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے سامنے سات بادشاہ گزرے جن میں سے پانچ معتقد تھے۔ دو نے ٹکر لی۔ چنانچہ قطب الدین مبارک شاہ اور جلال الدین خلجی کا جو حشر ہوا وہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ خواجہ گیسو

دراز کے زمانے میں فیروز شاہ بہمنی نے خواجہ صاحب سے بگاڑ کر لیا۔ نتیجتہً اس کو تخت سے دست بردار ہونا پڑا۔ اور احمد شاہ بہمنی نے صرف خواجہ صاحب کی حمایت پر دکن کا تخت وتاج حاصل کیا۔ اس لئے صاحب مقالہ رؤف خیر صاحب کا یہ کہنا کہ :

"خانقاہی نظام اور شاہی نظام میں عموماً ٹکراؤ نہیں ہوتا تھا۔ بیشتر اربابِ خانقاہ کو حکمرانوں نے جاگیریں بخشیں۔ خانقاہی اخراجات کی پابجائی کے لئے سرکاری خزانے سے روزینے مقرر کر دیئے۔ کچھ صوفیہ پر تو بادشاہِ وقت اس قدر مہربان ہوا کہ ان سے اپنی بیٹیوں کی شادیاں تک کر ڈالیں۔"

اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ بادشاہوں نے صرف اپنی گدّی کی حفاظت اور اپنی حکومت کے استحکام کے لئے شیوخِ طریقت کو سر آنکھوں پر بٹھایا۔ ان کی زندگی میں نذرانے اور تحفے دیتے، مرنے کے بعد فلک بوس گنبدیں بنا دیں عرس وصندل مالی، چراغوں اور جھیلوں کیلئے جاگیرات اور مقطعے

عطا کر دیئے۔ اس طرح ان بادشاہوں کے تخت اور گدیاں بھی محفوظ رہ گیئں اور ان شیوخ کی مسندیں بھی۔

"حیدرآباد کی خانقاہوں" پر میرے دوست جناب رؤف خیر صاحب نے بڑی تحقیق سے یہ مقالہ تیار کیا ہے۔ اپنی حد تک بڑی جستجو کے ساتھ حیدرآباد کی خانقاہوں اور پیری مریدی کے سلسلوں کا تعارف اس مقالے میں پیش کیا ہے جناب رؤف خیر صاحب مسلکاً اہل حدیث ہیں اور یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ اہل حدیث حضرات کو خانقاہی نظام سے نہ صرف عدم دلچسپی ہے بلکہ اختلاف ہے۔ اس کے باوجود رؤف خیر صاحب کا خانقاہی نظام کے معاملے میں اس قدر دلچسپی لینا اور بڑی دوڑ دھوپ کر کے اس بارے میں حتی الوسع معلومات فراہم کرنا ایک قابل قدر اقدام ہے۔ موصوف نے اپنے مسلکی اختلاف کو ایک طرف رکھ کر احتیاط سے قلم اٹھایا ہے جو قابل تعریف ہے۔ امید ہے کہ اس مقالے کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔

موصوف نے دو ایک جگہ تھوڑی سی غلطی بھی کی ہے۔

جس کی اصلاح ضروری ہے۔ موصوف نے مخدوم علی الہجویری کو سلسلۂ چشتیہ کی اہم شخصیت لکھا ہے جبکہ مخدوم ہجویری کا سلسلۂ چشتیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مخدوم ہجویری تین واسطوں سے شیخ جنید بغدادی کے مرید تھے۔ اور یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ قادری، چشتی اور سہروردی سلسلے وجود میں نہیں آئے تھے۔

موصوف نے حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔ ان دونوں بزرگوں کی اصلاحی خدمات کی بڑی تعریف کی ہے۔ اس خاکسار کو اس سے اختلاف ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت مجدد نے عہدِ اکبری اور عہدِ جہانگیری میں بڑا اصلاحی کام کیا لیکن یہ حقیقت ہے کہ حضرت موصوف کا خانقاہی نظام سے گہرا تعلق ہے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ عہدِ اکبری اور عہدِ جہانگیری کے بگاڑ اور اکبر کو اکفر بنانے میں خانقاہی نظام کا بڑا دخل تھا۔ پھر بھی حضرت مجدد نے نہ صرف خانقاہی نظام کو جوں کا توں رکھا بلکہ اس کی قدر و قیمت اور بڑھا دی۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ کا معاملہ ہے۔ خانقاہی نظام سے شاہ صاحب کے تعلق کو جاننے کے لئے ان کی کتاب "انفاس العارفین" ہی کا مطالعہ اگر رؤف خیر صاحب کر لیتے تو انہیں اندازہ ہوتا کہ شاہ صاحب خود اس دلدل میں کتنے پھنسے ہوئے ہیں۔ اسی طرح آپ کے فرزند رشید شاہ عبدالعزیز نے کس طرح بدعات کو رواج دیا ہے اور فضولیات کی کتنی سرپرستی فرمائی ہے اس کو جاننے کے لئے فتاوی عزیزیہ یا پھر شاہ صاحب کے حالات زندگی کی کوئی کتاب کا مطالعہ کافی ہے۔ ان بزرگ نے جن عجیب طریقوں سے اصلاح کے نام سے فساد کی سرپرستی فرمائی ہے اس کی ایک مثال "تحفہ اثناء عشریہ" ہے جو شیعوں کے رد میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کے بارہ ابواب قائم کئے ہیں۔ اور صراحت کردی ہے کہ بارہ امام کی مناسبت سے میں نے بارہ ابواب قائم کئے ہیں۔ ایسی صورت میں شیعوں کا کیا رد ہوسکتا ہے جبکہ آپ نے بنیاد ہی تسلیم کرلی۔

فاتحہ وایصال ثواب کے مروجہ طریقے، محرم کی مجلس، یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کا ورد، السلام علیکم کی جگہ آداب وتسلیمات کا رواج سب کچھ آپ کے پاس تھا۔

موصوف نے اس خاکسار کو بھی سلسلۂ تصوّف و طریقت میں پرو دیا۔ اس میں شک نہیں ہیں شاہ قاسم علی کلیمی کے سلسلۂ نظامیہ و فخریہ میں اور حافظ محمد موسیٰ مانک پوری کے سلسلۂ صابریہ میں حضرت سید احمد علی شاہ صاحب کا مرید و خلیفہ ضرور ہوں۔ لیکن میرے خیالات تصوف و طریقت کے بارے میں جو کچھ ہیں وہ ناظرین کے سامنے آچکے ہیں۔ ایسی صورت میں میرے نام کے ساتھ چشتی یا قادری وغیرہ کا جوڑ بالکل اس شعر کی طرح رہ گیا ہے ؎

مدّتیں گزری ہیں شغلِ مئے کشی چھوٹے ہوئے
وہ دھرے ہیں طاق پر جام و سبو ٹوٹے ہوئے

بہرحال خانقاہی نظام اور تصوف و طریقت کا عنوان ایسا ہے جس پر کافی محنت کی ضرورت ہے۔ یہ ایک باضابطہ تحقیقی کام ہے اور یہ کام اپنے قیمتی وقت بلکہ عمرِ عزیز کے ایک حصّے کو مستقل طور پر وقف کر دینے کا متقاضی ہے۔ جناب رؤف خیر صاحب کا مقالہ صرف اشارات کا کام دیتا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی صاحب ہمّت ان اشارات سے استفادہ کرتے ہوئے ایک

مستقل کتاب تصنیف کردے۔

"ہمت مرداں مددِ خدا"

احقر العباد

حافظ سید محمد علی حسینی

مولوی کامل جامعہ نظامیہ

حمد

میں حاجت مند ہوں حاجت روا تو
مِرا مولا مِرا مشکل کُشا تو

کسی کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے
مسیحا تو دواؤں میں شفا تو

ضرورت کیا وسیلے کی کسی کے
کہ ہے نزدیک شہ رگ سے سدا تو

کوئی دیتا نہیں تیرے سوائے
سبھی بے کس غنی الاغنیا تو

(رؤف خیر)

حرفِ خیر

زیرِ نظر مقالہ بڑی محنت سے لکھا گیا ہے۔ مجھ جیسے راسخ العقیدہ مسلمان کو خانقاہوں سے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی ہے مگر بعض وقت مریض کو علاج بالمثل ہی سے شفا ہوتی ہے۔ ننانوے فیصد مسلمان ایسے ہیں جن کے گھروں میں قرآن مجید تو ہوتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا انھیں معلوم ہی نہیں کہ اس میں کتنی سورتیں ہیں کن امور کا حکم دیا گیا ہے اور کن معاملات سے روکا گیا ہے کیونکہ بیشتر مسلمان قرآن (ترجمے سے) پڑھتے ہی نہیں۔ مٹھی بھر لوگ ہیں جو کبھی کبھی ثواب کی نیت سے قرآن ناظرہ (بغیر سمجھے بوجھے) پڑھ لیا کرتے ہیں۔ جب کلام اللہ کے ساتھ مسلمانوں کا یہ رویّہ ہو تو احادیث سے واقفیت کی توقع رکھنا ہی فضول ہے۔ بھولے بھالے سیدھے سادھے مسلمان صرف اولیاء کے قصوں کی کتابیں پڑھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ دین کا حق ادا کر رہے ہیں۔ توحید و شرک، اتباعِ سنّت اور تقلیدِ شخصی کے فرق سے تو علمائے سو تک واقف نہیں عوام کیا واقف ہوں گے۔

میں نے اس کتابچے میں انہی اولیاء (جیسے شیخ احمد سرہندیؒ کے مکتوبات) کے حوالے سے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ عرسوں،

قوالیوں وغیرہ کی حقیقت کیا ہے۔ خانقاہوں کے چکر سے نکلنے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں خانقاہوں کی اصلیت دکھا دی جائے اس کے بعد قرآن وحدیث باعث شفا ہو سکتے ہیں۔ اس مقالے کی تیاری میں علمی معاملات کے حوالے تو اشاریات میں دیئے گئے ہیں البتہ خانقاہی نظام کی تحقیق میں علم سینہ بہ سینہ سے بھی مدد لی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر عبدالرحیم افضل پوری (مقیم گلبرگہ) کی معلومات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ ناسپاس گزاری ہوتی اگر میں ان کا ذکر نہ کرتا۔ وہ اگرچہ ذہنی طور پر چن بشیشور سری صدیق دیندار صاحب سے قریب ہیں مگر دیگر تاریخی شخصیتوں پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔ محترم حافظ سید محمد علی حسینی صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے میری محنتوں کو نہ صرف سراہا بلکہ اس کتابچے کے لئے وقیع پیش لفظ سے نواز کر اس کی قیمت بڑھا دی۔ اس مقالے کی طباعت کا غالب بار میرے کرم فرما جناب محمد علی خاں صاحب نے اپنے سر لیا ہے۔ ان کی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے یہ مقالہ آج آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ میں خاص طور پر ان کا شکر گزار ہوں۔ اس مقالے سے کسی کی دل شکنی مقصود نہیں بلکہ نہایت احترام کے ساتھ خانقاہوں کا تذکرہ کر کے مسلمانوں کو قرآن وحدیث سے جوڑنے کی سعی کی گئی ہے۔ اگر کھلے ذہن سے اس کا مطالعہ کیا جائے تو بہت ممکن ہے اللہ توفیق بھی دے۔ طالب خیر

(رؤف خیر)

۱۲
۶
۹۴

حیدرآباد کی خانقاہیں

بادشاہوں نے شعراء کی طرح صوفیہ و اولیا کی بھی بڑی قدر و منزلت کی ہے۔ ہر بادشاہ کے دور میں کوئی نہ کوئی صوفی شاہی انعام و اکرام سے استفادہ کرتا رہا ہے البتہ بعض صوفیہ ایسے بھی گزرے ہیں جو بالکل گوشہ نشین رہے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ اور بادشاہوں سے ملنا تک گوارا نہ کیا۔ صوفیائے کرام کی خانقاہیں عوام و خواص کے لیے مدرسوں کا کام بھی کیا کرتی تھیں لوگ جوق در جوق باضابطہ درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ صوفی کی علمیت اور اس کے کردار کی شہرت کے تناسب سے طلبہ میں کمی بیشی ہوا کرتی تھی۔ تشنگان علم دور دور سے اپنی پیاس بجھانے کے لئے صوفیوں کے پاس چلے آتے تھے۔ صوفیاء و اولیائے کے درس دینے کا طریقہ بھی انتہائی نفسیاتی ہوا کرتا تھا۔ ہر شخص کو اس کے مزاج اور صلاحیت کے اعتبار سے تعلیم دی جاتی تھی۔ ایک ہی نصاب ہر کس و ناکس پر لاگو نہیں کیا جاتا تھا۔

حکمرانوں نے نہ صرف صوفیہ کی بڑی قدر کی بلکہ خانقاہوں کی سرپرستی بھی کی جس طرح فنون لطیفہ کے ماہرین نے اپنے

فن کی سچی داد پانے کے لئے فن کے قدرداں حکمرانوں تک رسائی حاصل کی ہے اسی طرح حکمرانوں کی اعلیٰ ظرفی کا شہرہ سن کر صوفیہ نے ان کی حدودِ سلطنت میں قدم رکھا تاکہ دین و دنیا کا بھلا ہو۔ یہی سبب ہے کہ جن مقامات کو سیاسی مرکزیت حاصل رہی ہے وہیں صوفیہ نے بھی اپنے خیمے نصب کیئے۔ البتہ بعض ایسے صوفیہ بھی ہوتے ہیں جو بے آب و گیاہ علاقوں کو اپنی ذات سے سیراب کیا۔

خانقاہی نظام اور شاہی نظام میں عموماً ٹکراؤ نہیں ہوتا تھا بلکہ بیشتر اربابِ خانقاہ کو حکمرانوں نے جاگیریں بخشیں۔ خانقاہی اخراجات کی پابجائی کے لئے سرکاری خزانے سے روزینے مقرر تھے۔ کچھ صوفیہ پر تو بادشاہ وقت اس قدر مہربان ہوا کہ ان سے اپنی بیٹیوں کی شادیاں تک کر ڈالیں۔ جیسے ابراہیم قلی قطب شاہ کے ایک داماد حضرت حسین شاہ ولیؒ ہیں تو دوسرے سید میراں حسینی پیر بغدادی حموی حسنیؒ ہیں داماد گر حوض والے۔ بیشتر صوفیہ نے اپنے وطن سے ہجرت کر کے ہندوستان کے مختلف علاقوں کو اپنا مرکزِ مستقر بنایا۔ کبھی اپنے مرشد کے حکم پر اور کبھی حکمراں کی دعوت پر۔ حکمرانوں کی سرپرستی نے انھیں بے فکری عطا کی اور وہ اپنے تعلیمی و تبلیغی مشن میں مصروف رہ سکے۔ بعض صوفیہ نے تو شیخ الاسلام یعنی سرکاری مفتی کا منصب بھی قبول کیا اور بادشاہ کی خوشنودی اور خیر خواہی کا خاص خیال رکھا۔ اس طرح خانقاہی نظام

عوامی سطح اور درباری سطح دونوں جگہ کامیاب و بامراد ٹھیرا۔ حیدرآباد دکن کے مشہور بزرگ بادشاہ حسینی نظام حیدرآباد کے درباری واعظ یعنی شیخ الاسلام رہے ہیں۔

ہندوستانی مزاج میں چونکہ مرعوبیت پائی جاتی ہے جس کا فائدہ کبھی آریاؤں نے اٹھایا تھا اور کبھی انگریزوں نے اٹھایا۔ اسی طرح غیر اسلامی ماحول میں ہندوستان کے باہر سے آنے والے صوفیہ نے خوب رنگ جمایا۔ ذات پات کے جھگڑوں اور اندھی عقیدتوں نے صوفیہ کے لئے راہ ہموار کی۔ اعلائے کلمۃ الحق میں وہ چھوٹی چھوٹی مگر اہم باتیں ملی جلی زبان میں عطا کرتے اور یوں اپنا اثر قائم کرتے۔ اسی طرح سیدھے سادھے لاعلم اور معصوم لوگ ان کے حوالے سے دین کی باتیں سمجھنے کی کوشش میں انھیں اپنا نجات دہندہ سمجھ کر ان کا دامن تھام لیتے تھے۔

ہندوستان میں چار مسالک کی خانقاہیں مقبول ہوئیں۔ یہی مسالک دکن بھی پہنچے۔ ان مسالک کے بانیوں یا پیشواؤں کو دکن میں سر آنکھوں پر بٹھایا گیا۔ خانقاہی نظام ہندوستان میں بڑا کارگرد رہا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کی خانقاہ جو عوام و خواص دونوں کے لئے یکساں طور پر ہمیشہ باہیں پھیلائے رہتی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رح اور حضرت شاہ ولی اللہ

دہلوی رح کی وجہ سے ہندوستان میں اسلام زندہ رہ سکا ورنہ اکبر کے دین الٰہی نے تو بے دینی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس دور میں بدعات و رسومات کا اس قدر زور تھا کہ اگر ان دونوں بزرگوں نے ان خرافات کا رد نہ کیا ہوتا تو پتہ نہیں ہندوستان میں اسلام کا کیا حال ہوتا۔ پھر بھی "باقیات السیات" کے طور پر ان خرافات کے اثرات آج بھی پائے جاتے ہیں۔

خانقاہی نظام کے چار سلسلے ہیں (۱) قادریہ (۲) چشتیہ (۳) سہروردیہ اور (۴) نقشبندیہ۔ قادریہ سلسلے کے بانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح ہیں۔ یہ "غوث الاعظم" (یعنی سب سے بڑے فریاد رس) کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ تھے تو حنبلی مگر ابوحنیفہ رح کے ماننے والے (حنفی) ان کے بڑے معتقد ہیں۔ جگہ جگہ ان کے نام کے جھنڈے گھروں، سڑکوں اور درختوں پر لہراتے ہیں۔ یہ سادہ لوح، لاعلم لوگ اگر حضرت عبدالقادر جیلانی رح کی کتاب "غنیۃ الطالبین" پڑھ لیں تو پتہ نہیں ان پر کیا گزرے کہ حضرت نے اس کتاب میں جن بہتر ۷۲ گمراہ فرقوں کی تفصیل بیان کی ہے ان میں اِن نام نہاد عقیدت مندوں کو بھی شمار کیا ہے[1]۔

حیدرآباد میں قادریہ سلسلے کی خانقاہیں یوں تو بہت ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو "غنیۃ الطالبین"۔ اکسٹھواں گمراہ فرقہ صفحہ ۲۰۸

یہاں اس مختصر سے مضمون میں چند خانقاہوں کا جائزہ ممکن ہے دکن میں اس سلسلے کی پذیرائی اور استحکام اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں نظام سادس کے دور میں انہی کی ایماء پر ہوئی۔ سالار جنگ اور ان کے حلقے کے لوگوں کے شیعی اثر سے خود کو بے نیاز ثابت کرنے کے اپنے نظام نے یہ راہ اختیار کی۔

حضرت عبدالقادر جیلانی رح کے ایک فرزند حضرت تاج الدین عبدالرزاق کی اولاد میں سے سات بزرگوں نے دکن میں قادریہ سلسلے کی خانقاہیں قائم کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے، جن کو سبعہ قادریہ یا سبعہ سادات اور رفقت اختر بھی کہا جاتا ہے جن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ (۱) حضرت سید یوسف قادری حموی۔ المعروف حاجی الحرمین (م ۸۰۰ھ، گلبرگہ) (۲) حضرت ابواسحاق قادری المعروف میاں قادری (م ۱۰۱۱ھ کرنول) ان کا مزار تنگبھدرا ندی کے کنارے پُر فضاء مقام پر ہے اور "روضہ" کہلاتا ہے۔ (۳) حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری لاؤبالی (م ۱۰۵۰ھ) کرنول ان کا مزار ہیندری ندی کے کنارے ہے۔ (۴) حضرت معشوق ربانی سید شاہ جلال الدین قادری (م ۹۱۲ھ) ورنگل۔ ان کے مزار کا علاقہ "عرس جاگیر" کہلاتا ہے۔ (۵) حضرت سید میراں حسینی بغدادی (م ۱۰۵۰ھ) (لنگر حوض۔ حیدرآباد) (۶) حضرت شاہ رفیع الدین

قادری (م ۱۰۱۹ھ) ذکار کی ٹیکری۔ شیخ پیٹ۔ حیدرآباد)
(۷) حضرت سید شاہ اسمٰعیل قادری (م ۱۰۱۸ھ) نیلور ضلع گلبرگہ

میر محبوب علی خاں نظام سادس حضرت عبدالقادر جیلانی رح سے اس قدر عقیدت رکھتے تھے کہ دکن میں شاہی گیارہویں شریف" کی بنیاد ہی ڈال دی۔ ہر سال گیارہ ربیع الآخر کو باضابطہ سرکاری سطح پر جگہ جگہ گیارہویں منائی جاتی تھی اور خاص طور پر چار مینار (عمارت ہی میں) عبدالقادر جیلانی رح کا چلہ قائم کیا گیا جہاں دفتر امور مذہبی کی [illegible]، سے ایک زمانے تک ہر سال گیارہویں کے موقع پر گیارہ ربیع الثانی کو، عوام و خواص میں بریانی تقسیم کی جاتی تھی۔ اسی عقیدت کا شاخسانہ ہے کہ حیدرآباد کی تاریخی مکہ مسجد میں عین منبر کی بائیں جانب آج تک بھی ایک محراب بنا ہوا ہے جس کے اندر جلی حروف میں "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" لکھا ہوا ہے[۱] اور اس محراب پر زعفرانی رنگ کا پردہ پڑا رہتا ہے۔ بعض لوگ عقیدتاً پردہ اٹھا کر اس نام کا دیدار کرتے ہیں اور پھر منہ پر ہاتھ پھیر لیتے ہیں۔ نظام کی سرپرستی کی وجہ سے قادری گھرانے کے لوگوں کے لئے نرم گوشہ پایا جانے لگا۔ نظام کے جتنے حلقہ بگوش تھے ان میں سے بیشتر قادری ہو گئے۔

---

[۱] جامع مسجد دہلی میں بھی آثار شریف اور بزرگوں کی تصاویر تھیں۔ مرزا مظہر جان جاناں نے اس وقت کے بادشاہ شاہ عالم (ثانی) سے شکایت کر کے یہ غیر اسلامی چیزیں وہاں سے نکلوائیں۔

قادری سلسلے کی اہم شخصیتوں کو بادشاہ کی طرف سے جاگیریں عطا ہوئیں اور کچھ قادریوں کو خزانے سے "یومیہ" ملا کرتا تھا۔ اس طرح حیدرآباد میں بادشاہِ وقت نظام دکن کی سرپرستی کی وجہ سے یہ سلسلہ خوب چل پڑا۔ کچھ عام لوگوں نے بادشاہ کی خوشنودی کی خاطر اور انعام واکرام سے سرفراز ہونے کے لئے اپنے سلسلے بغداد سے جوڑے۔ خاکی فطرت نے ہر نوری وناری کو اس نسب میں داخل ہونے پر اکسایا جبکہ یہ طے شدہ ہے کہ اللہ کے پاس حسب نسب کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ صرف تقویٰ کی اہمیت ہے۔ اللہ کے پاس وہی مکرم ہے جو صاحبِ تقویٰ ہے۔ اور اللہ کے رسول ؐ نے دوسرے کے نسب میں داخل ہونے سے منع فرمایا۔

عوام الناس میں بھی حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ کے گھرانے کے ہر آدمی کے لئے بے انتہا عقیدت پائی جاتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب حضرت پیر نجم الدین گیلانی ۱۹۶۰ء کے آس پاس پہلی دفعہ حیدرآباد تشریف لائے تو عوام کے ساتھ ساتھ علماء و مشائخین کا ایک ہجوم ان کی قدم بوسی کے لئے ٹوٹ پڑا۔ پیر نجم الدین گیلانی کو کلین شیو، سوٹڈ بوٹڈ دیکھ کر بعض لوگوں کو بڑی حیرانی بھی ہوئی مگر بہرحال عقیدت میں کوئی فرق نہ آیا۔ لوگ شمع پر پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑے یہ بات بھی حیرت انگیز ہے کہ پیر صاحب نے کسی کو بھی اپنے پیر چھونے کی اجازت نہیں دی۔

حیدرآباد میں قادری سلسلے کے جو مشہور بزرگ ہیں کچھ یوں ہیں : (۱) حضرت سید میراں حسینی بغدادی جن کا مزار لنگرحوض میں ہے۔ (۲) قادری چمن کے حضرت سید عمر حسینی۔ ان کے فرزند حضرت بادشاہ حسینی جو نظام سابع میر عثمان علیخان کے ہم عصر اور ان کے دربار کے سرکاری واعظ یعنی شیخ الاسلام تھے۔ سرکاری سطح پر منائی جانے والی مذہبی تقاریب کو مخاطب کیا کرتے تھے۔ نظام کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کا انھیں شرف حاصل تھا۔ (۳) حضرت خواجہ میاں صاحب تھے جنھوں نے حضرت خواجہ محبوب اللہ کے نام سے شہرت پائی۔ یہ حضرت سید عمر حسینی کے بڑے بھائی تھے۔ ان کے فرزند حضرت یحییٰ پاشا تھے جن کا اثر حیدرآباد پر بہت رہا ہے۔ ان کے خانوادوں میں بیشتر لوگ سرکاری ملازم رہے ہیں۔ خاص طور پر سکریٹریٹ کے ملازمین ان کے معتقدین اور مریدین میں شامل ہیں۔ (۴) قادریہ سلسلے کے ایک اور بزرگ جناب سید رشید پاشا صاحب ہیں جو امیر جامعہ نظامیہ بھی رہے۔ حال ہی میں سود کے جواز کے مسئلے پر بنیاد پرست علمی حلقوں نے ان کی مخالفت کی۔ (۵) حضرت سید عبداللطیف لاأبالی کی اولاد سے حضرت سید موسیٰ قادری تھے جو کرنول تھے۔ پُرانا پُل حیدرآباد میں موسیٰ قادری کا احاطہ مشہور رہے۔ اسی گھرانے کے بعض نوجوان "شہزادہ

ابوالاعلیٰ مودودی کے بارے میں علی الترتیب ان کی رائے کچھ یوں تھی کہ ایک پکا اتارتھا جو سڑ گیا اور ایک کچا اتار تھا جو جھڑ گیا (بہ روایت نبیرۂ حسرت صدیقی جناب عتیق صدیقی لکچرار اردو۔ ورنگل) حضرت عبدالقدیر صدیقی، حضرت خواجہ میاں محبوب اللہ کے حقیقی بھانجے اور خلیفہ تھے۔

چشتیہ سلسلہ بھی دکن میں خوب پھلا پھولا۔ یہ سلسلہ دراصل ابواسحاق چشت سے جا ملتا ہے۔ اس کے اہم بزرگ حضرت سید علی ہجویری لاہوری ہیں جن کی کتاب "کشف المحجوب" ہر مسلک کے آدمی کے لئے قابل قبول ہے کہ آپ نے شریعت کی پابندی پر اصرار کیا اور "کشف المحجوب" میں ایک اصول کی طرح ٹھہرا دیا کہ حقیقت، معرفت اور طریقت سب جھوٹ ہے اگر شریعت کے خلاف ہے۔ ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کو استحکام بخشنے میں ان کا بڑا موثر رول رہا۔ ان دنوں لاہور (پاکستان) میں سب سے بڑا مرجع خلائق انہی کا مزار ہے۔ روایت ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے حضرت سید علی ہجویریؒ کے مزار پر چلہ کشی کی۔ چلہ کشی کے دوران ان پر جو کشف ہوا اس سے وہ اس قدر خوش ہوئے کہ آپ نے حضرت ہجویری کو "داتا گنج بخش" کا خطاب پس از مرگ بخشا۔ اب وہ اسی خطاب سے جانے جاتے ہیں۔ بعض محققین کی تحقیق ہے کہ پاکستان میں جو مزار سید علی ہجویریؒ

غوثِ اعظم " کہلاتے ہیں اور احمد رضا خاں بریلوی کے معتقد اور ان کے مسلک کے زبردست داعی و پرچارک ہیں۔ (۶) سلسلہ قادریہ کے ایک اور بزرگ حضرت ابوالحسن قادری بیجاپوری ہیں جو دکنی اردو کے ایک شاہکار " سکھ انجن " کے مصنف ہیں۔ ان کی اولاد میں سے ایک بزرگ حضرت سید حبیب اللہ قادری تخت نشین دکار وان حیدر آباد) اور ولی اللہ قادری گنج شہیداں گزرے ہیں۔ اس سلسلے کے سجادہ نشین حضرت محمود پاشاہ تخت نشین تھے جو جمعیۃ العلمأ کے صدر تھے۔ ملک و ملت کا درد رکھتے تھے۔ حال ہی ان کا انتقال ہوا۔ ان کی جگہ ان کے فرزندِ اکبر نے لے لی۔ (۷) شرفی چمن (سبزی منڈی) بھی قادری گھرانے کی ایک مشہور خانقاہ ہے۔ یہ بھی حضرت سید عبداللطیف لاابالی کرنولی کے سلسلے کے ایک بزرگ حضرت شرف الدین قادری کی قائم کردہ ہے۔ ان کے گھرانے کے ایک بزرگ حضرت سیف الدین قادری سیف کا ۱۹۷۰ء کے آس پاس انتقال ہوا۔ ان کا شعری مجموعہ " ساغرِ سیف " بھی شائع ہو چکا ہے۔ چڑیا گھر کے راستے میں حضرت صدیقیؒ کی خانقاہ " صدیق گلشن " بھی مرجع خلائق ہے۔ حضرت حسرت صدیقی بڑے پائے کے عالم، عربی و فارسی کے ماہر اور اردو کے شاعر تھے۔ ان کی شاعری کا مجموعہ بھی چھپ چکا ہے۔ یہ ہرفن مولا بزرگ تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا

کے نام سے منسوب ہے وہ ان کا نہیں بلکہ کسی اور بزرگ کا ہے غلطی سے ان کے نام سے منسوب ہو گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۔ ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کے بانی اصل میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ہی ہیں۔ آپ ہی سے سارے ہندوستان میں اس کی شاخیں پھوٹیں۔ آپ اجمیر میں آسودۂ خاک ہیں۔ (۲) خواجہ صاحب کے خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ چشتیہ سلسلے کے اہم بزرگ ہیں۔ یہ مہرولی (دہلی) میں مدفون ہیں۔ (۳) بختیار کاکیؒ کے خلیفہ و جانشین ہیں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر جو پاک پٹن۔ پاکستان میں آرام کر رہے ہیں۔ (۴) حضرت گنج شکر کے خلیفہ و جانشین حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی بدایونی ہیں اور جو دہلی کی سرزمین کو عزت بخشے ہوتے ہیں۔ آپ طوطی ہند امیر خسرو کے لئے "سب کچھ" رہے ہیں۔ امیر خسرو کئی راگ راگنیوں کے موجد اور صاحب طرز شاعر گزرے ہیں۔ حضرت گنج شکر کے دوسرے خلیفہ حضرت صابر کلیری ہیں جن سے سلسلۂ صابریہ منسوب ہے۔ اس طرح چشتیوں کے دو بڑے سلسلے یعنی نظامیہ اور صابریہ حضرت گنج شکر سے منسوب ہیں۔

۵۔ حضرت محبوب الٰہی کے خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی ہیں۔ (۶) حضرت چراغ دہلوی کے خلیفہ حضرت سید محمد محمد الحسینی گیسو درازؒ جن کے نام سے دکنی اردو کا پہلا دریافت شدہ نثری رسالہ

"معراج العاشقین" منسوب رہا مگر ڈاکٹر حفیظ قتیل مرحوم کی تحقیق میں یہ رسالہ ان کا تحریر کردہ نہیں بلکہ اسی گھرانے کے ایک اور بزرگ حضرت مخدوم حسینی کا لکھا ہوا ہے۔ حیدرآباد میں چشتیہ خانقاہیں بھی بہت ہیں۔ چند ایک بزرگوں کا ذکر مختصراً یہاں ممکن ہے۔ (۱) حضرات یوسفین (حضرت یوسف الدین اور حضرت شریف الدین) نام پلی میں آسودۂ خاک ہیں۔ یہ حضرت کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی کے چہیتے مرید تھے جن کے آستانے سے ماہنامہ "آستانہ" مستحسن فاروقی نکالا کرتے تھے۔ حضرات یوسفین کے بارے میں کئی روایتیں مشہور ہیں ایک یہ کہ یہ دو نوں بزرگ اورنگ زیب عالمگیر کے سپاہی تھے۔ دکن پر اورنگ زیب کی فتح میں انہی بزرگوں کے "سفارشی ٹھیکرے" کا دخل ہے جو انہوں نے قلعہ کے دروازے پر بیٹھے ہوتے ایک بزرگ کے نام لکھا جو فتح میں سدباب بنے ہوتے تھے۔ مگر تاریخی حقائق پر نظر رکھنے والوں کا خیال ہے کہ قلعہ گولکنڈہ کی فتح میں سپہ سالار عبداللہ خاں پنّی کی غداری کا دخل ہے۔ ناتجربہ کار بادشاہ ابوالحسن تاناشاہ قلعہ بند ہوگیا تھا اور اس کے وفادار سپہ سالار عبدالرزاق لاری نے بڑی جاں نثاری سے جنگ کی تھی۔ یوسفین کی درگاہ حیدرآباد (نامپلی) میں مرجع خلائق ہے۔ (۲) نام پلّی ہی میں حضرت سید معین الدین حسینی المعروف شاہ خاموش کی خانقاہ ہے جو سلسلۂ صابریہ میں حضرت حافظ

محمد موسیٰ ا نک پوری کے خلیفہ ہیں۔ حافظ صاحب موصوف کے ایک اور خلیفہ حضرت سید شاہ جمال الدین قادری ہیں جن کا مزار عنبر پیٹ روڈ پر قادری باغ میں ہے ۔ ان کے مشہور خلیفہ سید ابراہیم بن سید عباس ادیب اور پروفیسر تھے ۔ انہی کے فرزند مولانا سید طاہر رضوی موجودہ شیخ الجامعہ ہیں۔ حضرت شاہ خاموش کی درگاہ کے سجادہ نشین حضرت صابر حسینی صاحب کی خانقاہ "خانقاہِ صابریہ" کے نام سے مشہور ہے جو مکہ مسجد کے بالکل عقب میں ہے۔ ان کے بیٹے حضرت قطب الدین حسینی صابر یا عربی کے پوسٹ گریجویٹ اور درگاہ شاہ خاموش کے سجادہ تھے ۔ (۳) پرانے شہر میں حضرت شاہ راجو قتال کی خانقاہ بھی تھی ۔ اسی مقام سے دکن کی تاریخ کا ایک اہم فیصلہ بھی ہوا تھا یعنی حضرت شاہ صاحب کا قطب شاہی حکومت میں اتنا اثر تھا کہ ان کے حکم پر ان کا ایک معمولی سا مرید ابوالحسن تانا شاہ نہ صرف یہ کہ قطب شاہی گھرانے کا داماد ہو گیا بلکہ بادشاہ بھی ہو گیا تھا۔ (۴) ٹولی چوکی کے آگے حضرت حسین شاہ ولیؒ کی خانقاہ بھی ہے۔ یہ ابراہیم قلی قطب شاہ کے داماد تھے حسین ساگر انہی کی نگرانی میں بنا اور انہی کے نام سے منسوب ہے ۔ یہ خواجہ گیسو درازؒ کے پوتے ہیں۔ (۵) حضرت مرزا سردار بیگ صاحب قبلہ دبیرپورہ گوڑ سے کی کمان بھی چشتیہ گھرانے کی خانقاہ ہے ۔ آپ حضرت حافظ محمد علی شاہ

خیرآبادی کے خلیفہ تھے۔ (۶) چشتی چمن تو اپنے نام ہی سے چشتیہ سلسلے کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس خانقاہ کے ایک بزرگ حضرت افتخار علی شاہ وطنؔ صاحبِ دیوان شاعر گزرے ہیں۔ اسی گھرانے کے حضرت سید نوراللہ حسینی افتخاری صاحب تو جمعیۃ العلماء کے صدر بھی تھے اور جادو بیان مقرر بھی تھے۔ ان کے بھائی حضرت سید ولی اللہ حسینی مشہور مشائخ گزرے ہیں۔ اسی خاندان کے ایک سپوت پیرزادہ شبیر نقشبندی ہیں جنھیں سابقہ صدر جمہوریہ ہند جناب فخرالدین علی احمد سے قربت وعقیدت رہی ہے۔ چشتیہ سلسلے ہی میں ابوالعلائی گھرانہ بھی آتا ہے۔ امیر ابوالعلاء جہانگیر کے دربار کے ایک امیر تھے اور سلسلۂ نقشبندیہ، اپنے چچا کے مرید تھے۔ امیر ابوالعلاء کا مزار آگرہ میں ہے۔ روایت ہے کہ اجمیر میں کشف کے بعد یہ چشتی ہو گئے تھے۔ دکن میں آنے والے ابوالعلائی سلسلے کے ایک بزرگ شاہ محمد قاسم المعروف شیخ جی حالی تھے۔ حضرت قاسم کے خلیفہ شیخ محمد شفیع المعروف جمعدار شاہ (اردو شریف میں مرشد کے پہلو میں دفن ہیں) ان کے خلیفہ آغا محمد داؤد ہیں جن (ان کے خلیفہ شاہ محمد حسن آغا چبوترہ میں دفن ہیں) کا ایک مصرعہ ہے ع: "حساب کیا کوئی مجھ سے لے گا بتا تو میں کس حساب میں ہوں" انہی کے سجادہ نشین حضرت داؤد میاں صاحب ہیں۔ حیدرآباد کے مشہور قائد جناب صلاح الدین اویسی کی ننھیال بھی یہی ہے۔ سلسلۂ نظامیہ فخریہ کے ایک بزرگ سید شاہ قاسم علی کلیمی ہیں جو کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی کے سلسلے

سے ہیں۔ قاسم علی صاحب کے ایک خلیفہ شیخ الٰہی بخش تھے جن کا
مزار درگاہ یوسفین میں ہے۔ شیخ الٰہی بخش کے بھتیجے اور داماد اور خلیفہ شاہ
عبدالعزیز تھے جو حضرت سید عمر حسینی ؒ کے ہم عصر رہے۔ یہ وہی عزیز میاں ہیں
ہیں جو جلال کوچہ میں رہا کرتے تھے۔ ان کے پاس "کھڑا سماع" ہوا کرتا تھا۔ شیخ
الٰہی بخش صاحب کے دوسرے خلیفہ سید عبدالرحیم شاہ صاحب تھے جو مشہور
"گونگے مرشد" کے والد تھے۔ عبدالرحیم شاہ صاحب کے ایک خلیفہ سید احمد علی
شاہ صاحب تھے جن کا مزار عثمان پورہ مسلم میٹرنٹی ہوم کے بازو ہے۔ حضرت
سید احمد علی شاہ صاحب کے خلیفہ و جانشین حافظ سید محمد علی حسینی صاحب ہیں۔
جو جامعہ نظامیہ کے فارغ ہیں۔ عربی کالج کے پرنسپل ہیں اور بے شمار کتب
کے مصنف ہیں۔ آپ نے اہل سنت والجماعت میں پھیلی ہوئی بدعات
وخرافات کے بارے میں "اہل سنت والجماعت کی حقیقت" لکھی۔ جب
کے کوتڈ سے "قادیانی ہی کافر کیوں؟" ان کی مشہور اور تحقیقی کتابیں ہیں۔ ان
کے علاوہ آپ کی ایک اور تحقیقی کتاب ہے جس نے تہلکہ مچا رکھا ہے یعنی
خواجہ گیسو دراز صاحب دکلبرگہ کے ملفوظات پر مبنی کتاب "جوامع الکلم"
پر آپ نے جو تنقید و تبصرہ کیا وہ علمی حلقوں میں موضوع بحث بنا ہوا ہے۔
آپ نے خواجہ صاحب کے ملفوظات ہی کے حوالے سے یہ ثابت کیا کہ خواجہ صاحب کا
تعلق شیعیت سے تھا۔ خواجہ گیسو دراز صاحب کے مزار پر آج بھی نادِ علی (شیعہ حضرات
کا وظیفہ) اور بازو ہی کے مزار کے اوپر باب الداخلہ پر شیعہ کلمہ: لا الٰہ الا اللہ
"حیدرآباد کی خانقاہیں" ــــــ از ــــــ رؤف خیر

محمد الرسول اللہ علیٔ الوصی اللہ" لکھا ہوا ہے چشتیہ سلسلہ میں سماع (قوالی) کو عین عبادت سمجھا جاتا ہے حتی کہ روایت ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی پر دورانِ سماع اس قدر حال اور وجد طاری ہوا کہ وہ جاں بحق ہوئے قطب مینار دہلی کو التمش نے انہی سے منسوب کیا تھا دیگر سلسلے قوالی کے قائل نہیں۔ اس کے باوجود بعض سلسلوں کی خانقاہوں میں اب قوالی کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ درس و تدریس کے لئے لوگ اب سرکاری مدرسوں ہی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ درگاہوں اور خانقاہوں کو لوگ صرف عرس کے موقعوں پر سجانے اور سنوارنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ گویا رشد و ہدایت کے جو چشمے بزرگان دین و محدثین کرام نے جاری کئے تھے وہ اب صرف سماع اور عرس کی صورت میں زندہ ہیں لیکن اب یہ کاروبار مندہ پڑتا معلوم ہو رہا ہے۔ لوگ پیری مریدی کی طرف کم مائل ہو رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ چند سالوں میں پیری مریدی اور تصوف و طریقت کی باتیں داستانِ پارینہ ہو کر رہ جائیں گی۔ اب درسِ قرآن و درسِ حدیث کے لئے لوگ ملک میں پھیلے ہوئے بے شمار دینی مدرسوں اور جامعات میں اپنے بچوں اور بچیوں کو شریک کروانے لگے ہیں جو عالم، فاضل، حافظ اور معلمات بن کر دینِ حنیف کی ترویج و اشاعت میں جٹے ہوئے ہیں۔ بدعات و رسومات و خرافات سے علمی گھرانے تو نالاں تھے ہی عوام بھی بیزار ہو گئے ہیں۔ اسی لئے اقبال نے کہا تھا

مراسلوچہ غنیمت ہے اس زمانے میں ؛ کہ خانقاہیں خالی ہیں صوفیوں کے کدو
* ہند میں سہروردیہ سلسلے کی آمد علاء الدین خلجی کے عہد میں ہوئی۔ اس سلسلے
کے بانی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی ہیں جو محی الدین ابن عربی کے
ہم عصر تھے۔ اس سلسلے کے دکن آنے والے پہلے بزرگ بابا شرف الدین تھے
باباشرف الدین کی پہاڑی آج بھی ان کے ماننے والوں سے آباد ہے ان
کے علاوہ بابا فخر الدین ہیں جو حضرت حسین شاہ ولی کے مزار کے قریب ایک
ٹی پر آرام فرما ہیں۔ یہ بزرگ حسن گنگو بہمنی کے دور میں دکن آئے تھے۔
جہانگیر پیراں روڈ پر اس سلسلے کے ایک اور بزرگ بابا شمس الدین کی خانقاہ
تھی جو آج بھی اپنے معتقدین اور مریدین کی ہر سال عرس کے موقع پر مرجع
بنی ہوتی ہے۔

نقش بندیہ ہی وہ واحد سلسلہ ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے
جا ملتا ہے۔ باقی تینوں سلسلے اپنے آپ کو حضرت علی رضؓ سے جوڑتے
ہیں۔ رحمت اللعالمین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ساری انسانیت
کے ہادی و رہنما بنا کر مبعوث کیے گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضؓ کے
کان میں کچھ خاص باتیں کہہ دی تھیں یہی علم لدنی کہلاتا ہے۔ یہ علم
سینہ بہ سینہ چلتا ہے۔ عوام الناس کو اس کی بھنک بھی پڑنے نہیں دی
جاتی۔ نقش بندیہ سلسلے کے بانی حضرت بہاء الدین نقش بندی (بخاری)
تھے۔ اس سلسلے کے دیگر بزرگوں میں حضرت سید رضی الدین المعروف

خواجہ باقی باللہؒ جن کا مزار قطب روڈ سرائے خلیل۔ دہلی میں واقع ہے۔
ان کے مرید حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ تھے۔ آپ کا
خاندان فاروق اعظمؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اس
وقت اکبر کے دینِ الٰہی کی وجہ سے اسلام کی صورتِ حال ناگفتہ بہ تھی ایسے
حالات میں شیخ احمد سرہندیؒ نے اعلاء کلمۃ الحق میں سر دھڑ کی بازی لگادی۔
بادشاہِ وقت جہانگیر نے انھیں موقع پرست زر پسند علماء سو کے کہنے پر گوالیار
کے قلعے میں قید کر دیا۔ کچھ دنوں بعد معلوم ہوا کہ آپ نے گوالیار کے تمام قیدیوں
کی کایا پلٹ دی۔ سب کے سب سچے اور پکے مسلمان ہو گئے۔ جہانگیر نے
بالآخر آپ کی رہائی کا حکم دیا۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے جہانگیر
کو بیش بہا مشوروں سے نوازا۔ جہانگیر آپ کی علمیت اور کردار سے بہت
متاثر ہوا۔ مجدد الف ثانیؒ نے کھل کر اسلام کی تبلیغ کی۔ بدعات، رسومات
و خرافات کے رد میں اپنے تمام مریدوں کے ساتھ حصہ لیا۔ بدعت حسنہ
کے نام پر پھیلی ہوئی گمراہی کا رد بھی کیا "کل بدعتٍ ضلالہ وکل ضلالۃ
فی النار"۔ مسلم تہذیب اور دینی اقدار کا احیا کیا۔ بے شمار کتابیں لکھیں
درس و تدریس کے سلسلے قائم رکھے۔ تقریباً (۴۴۵) کتابیں ایسی ہیں جو
عوام و خواص میں مقبول رہیں۔ آپ کی چند ایک تصانیف کا اجمالی ذکر
یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ (۱) "اثبات النبوت": اس میں آپ نے ابوالفضل
اور دیگر دہریوں کا رد کر کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بہ دلائل

عقلیہ و نقلیہ نہایت شرح و بسط سے ثبوت دیا۔ (۲) رسالہ علم حدیث (۳) رسالہ حالات خواجگان نقش بندیہ (۴) شرح رباعیات خواجہ باقی باللہؒ (۵) رسالہ آداب المریدین (۶) رسالہ مبداء و معاد (۷) رسالہ معارف لدنیہ
ان کے علاوہ شیخ احمد سرہندیؒ نے بے شمار معاصرین کو ۶۳۴ خطوط لکھے جو "مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ" کے نام سے ۱۴۱۱ھ میں مع سوانح حیات، قاضی عالم الدین صاحب نے کپور آرٹ پرنٹنگ پریس لاہور سے تین جلدوں میں شائع کیے۔ ان خطوط میں بعض آیات، احادیث، تصوف کے نکات کی ایسی عالمانہ اور دلچسپ تشریح ہے کہ آج بھی مزہ دیتی ہے۔ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی پہلی جلد ۱۹۱۴ء کے صفحہ ۱۶ پر اس سلسلے کے بارے میں لکھا ہے:

"اس سلسلے کے پیر اعلیٰ سیدنا ابو بکر صدیقؓ ہیں جن کی شان یہ ہے کہ افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق۔ پس آپ کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنے سے شریعت اور طریقت دونوں کی تکمیل ہوتی ہے ... نہ اس (نقش بندیہ سلسلے) میں چلہ کشی ہے نہ ذکر بالجہر، نہ سماع بالمزامیر نہ قبور پرستی، نہ غلاف نہ چادر اندازی نہ ہجوم عورات نہ سجدۂ تعظیمی، نہ سر کا جھکانا، نہ بوسہ دینا، نہ توحید وجودی و دعویٰ انا الحق و ہمہ اوست، نہ مریدوں کو پیروں کی قدم بوسی کی اجازت نہ مرید عورتوں کی آن کے پیروں سے بے پردگی۔"

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے شرک و بدعت کے خلاف جو جہاد شروع کیا تھا اس کے ایک اور سپہ سالار حضرت شاہ عبدالرحیمؒ ایک نہایت متشرع عالم تھے۔ آپ ہی کے گھر کے چشم و چراغ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ہیں۔ ہندوستان اس وقت سیاسی اور مذہبی دونوں اعتبار سے آلودگی کا شکار تھا۔ آپ نے قرب و جوار کے مسلم بادشاہوں کو غیرت دلائی۔ درونِ خانہ جو بدامنی پھیلی ہوئی تھی وہ قیامت خیز تھی۔ شرک و بدعات اور دینِ الٰہی کے اثرات نے مسلمانوں کو خدا اور رسول سے کوسوں دور کر دیا تھا۔ ایسے میں احمد شاہ ابدالی نے اس قوم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ حضرت شاہ صاحب کے "سیاسی خطوط" بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان خطوط سے نہ صرف ملک و ملت کے لئے درد جھلکتا ہے بلکہ سیاسی بصیرت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بڑی کوشش کی کہ مسلمانوں میں حنفیت، شافعیت، مالکیت و حنبلیت کے نام پر جو فروعی اختلافات ہیں انھیں دور کر کے خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر اتحاد پیدا کیا جائے۔ آپ نے مشائخ زمانہ اور صوفیائے عصر پر کڑی تنقید کر کے تصوف کی راہ سے آئے ہوئے غیر اسلامی عناصر کی نشاندہی کی اور تصوف اسلامی کی صراحت کی۔ آپ کی تصنیفات یوں تو ان گنت ہیں مگر ان میں حجۃ اللہ البالغہ، تفہیماتِ الٰہیہ اور ازالۃ الخفا بہت مشہور ہیں۔ آپ

نے تحقیق کر کے یہ ثابت کیا کہ حضرت علی رض اور حضرت حسن بصری رح میں ربط و تعلق نہیں رہا۔ مگر بعض علماء و مشائخین حضرت شاہ ولی اللہ کی اس تحقیق کے قائل نہیں کیونکہ دیگر سلسلوں کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ علم لدنی (علم سینہ بہ سینہ) حسن بصری رح نے حضرت علی رض سے راست سیکھا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رح کی تحقیق سے اس روایت پر کاری ضرب پڑتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے نہ مسلمان خوش تھے اور نہ غیر مسلم۔ چنانچہ مسجد فتح پوری (دہلی) میں دورانِ درس آپ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔[1] مغل دربار کے ایک شیعہ امیر نجف خاں نے حضرت شاہ ولی اللہ کے پہنچے اتروا دیئے (وہ ہاتھ جو ہمیشہ حق لکھا کرتے تھے اور قوم کے حق میں دعا کے لئے اٹھتے تھے) اور حضرت کے دو فرزندوں حضرات شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین کو اپنی قلمرو سے نکال دیا۔ یہ دونوں حضرات اپنے خاندان کے ساتھ شاہدرہ تک پیدل آئے۔ (دہلی میں فتح پوری مسجد کے علاقے سے شاہدرہ کا فاصلہ تقریباً تیس کیلومیٹر ہے۔ ان کے خاندان پر جو مصیبتیں نازل کی گئیں اس کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ یہ تمام مصیبتیں محض حق گوئی و بے باکی کا نتیجہ تھیں۔ قوم کا یہ حال اس وقت بھی تھا اور آج بھی ہے کہ کوئی تحقیقی نوعیت کی مدلل بات کہی جاتی ہے تو نہ صرف اسے ماننے میں تامل ہوتا ہے بلکہ اس کے رد میں غیر اخلاقی حدود کو چھو لیتی ہے۔ حالانکہ یہ عام اصول ہے کہ کسی لکیر کو چھوٹا ثابت کرنے کے لئے اس سے بڑی لکیر

---

[1] "تذکرۂ شاہ ولی اللہ"، مرتبہ ادارۂ الفرقان (۱۹۴۰ء/۱۳۶۰ھ) منظور نعمانی)

کھینچنی چاہیئے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا سب سے بڑا کارنامہ تو یہ ہے
کہ آپ نے عوام الناس کو قرآن پڑھنے کی ترغیب دی۔ غیر عربی داں حضرات
کی سہولت کی خاطر آپ نے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا۔ حضرت شاہ رفیع الدین
نے قرآن مجید کا لفظی ترجمہ اردو میں کیا (اس وقت تک عام پڑھے
لکھے لوگوں میں فارسی سے آگہی تھی) پھر یہ آگہی کم ہونے لگی تو حضرت شاہ
عبدالقادرؒ نے قرآن کریم کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا۔ اس طرح قرآن کریم
کے مضامین کا گھر گھر تک پہنچانا شاہ صاحب کے خاندان کا کارنامہ ہے۔ ورنہ
علماء سو نے تو عوام الناس کو قرآن سے دور رکھنے کے لئے یہ کہہ دیا تھا کہ
قرآن فہمی عام آدمی کے بس کا روگ نہیں اور قرآن اپنے مخاطب سے کہتا
ہے کہ اس میں تدبر اور غور و فکر سے کام لو کہ اس میں تمہارا ہی ذکر ہے۔ آج
الحمدللہ قرآن فہمی کے سلسلے میں اتنے ترجمے اور تفاسیر چھپ چکی ہیں کہ اللہ
کا پیغام گھر گھر پہنچ چکا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے
نے صرف تصنیف و تالیف کا کام ہی نہیں کیا بلکہ انگریزوں کے خلاف
اور غیر اسلامی طاقتوں کے خلاف باضابطہ جہاد بھی کیا۔ سید احمد شہیدؒ
اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے تحریک جہاد کی بنیاد ڈالی جو تمام تر متشرع
عالموں اور صالح نوجوانوں پر مبنی تھی۔ کچھ غیروں کی سازش اور کچھ اپنوں
کی مہربانی سے یہ تحریک ختم ہو گئی۔ نام نہاد مسلمانوں کے وظیفہ خوار
علماء نے جہاد کے خلاف فتوے دیئے اور مسلمانوں کو جہاد سے

رد کیے ان کی غلامی کی زندگی بڑھادی۔ استوا علی العرش، حیات النبی خلق قرآن وغیرہ فروعی مسائل چھیڑ کر مسلمانوں کو ان کے منصب سے ہٹادیا۔ یہ سلسلہ وحید عصر علماء آج بھی انجام دے رہے ہیں۔ انگریزوں نے اس تحریک جہاد کو محمد بن عبدالوہاب کی تحریک سے جوڑ کر اسے "وہابی تحریک" کا نام دیا۔ عام بدعتی ایمان فروشوں نے بھی انگریزوں کے ہمنوا ہو کر اس تحریک کو نقصان پہنچایا۔

شاہ ولی اللہ کے چار بیٹے حضرات شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی رحمہم تھے۔ ان میں شاہ عبدالغنیؒ نے عمر عزیز بہت کم پائی۔ اس کا تدارک اللہ نے آپ کے صاحبزادے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے فرمایا۔ تصوف پر آپ کی کتاب "عبقات" اور شرک و بدعت کے رد میں "تقویۃ الایمان" مشہور زمانہ ہے۔ مشہور شاعر مومن خاں مومن (دہلوی) اسی گھر سے فیض اٹھانے والوں میں رہے ہیں۔ جن کے ایک شعر پر غالب اپنا دیوان قربان کرنے پر آمادہ تھے۔ مومن کی مثنوی جہاد اسی دور کی یادگار ہے۔ حضرت مظہر جان جاناں بھی نقش بندیہ سلسلے کے مشہور صوفی اور شاعر گزرے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے چاروں صاحبزادوں کے مزارات مہدیان کے قبرستان میں پہلو بہ پہلو ہیں۔ (یہیں مومن کا مزار بھی ہے) مہدیان کا علاقہ جس گیٹ سے شروع ہوتا ہے وہاں چھوٹی سی تختی لگی ہوئی ہے جس پر

لکھا ہے :۔ " درگاہ حضرت شاہ ولی اللہ"۔ "درگاہ" کا لفظ دیکھ کر
ہمیں بڑی حیرت ہوئی۔ مگر جب مزارات کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ
تمام مزارات بالکل ہی عام آدمیوں کے مزارات کی طرح ہیں۔ باضابطہ
ہدایات تختی ہوئی ہیں کہ " یہاں چراغ جلانا یا اگربتی سلگانا منع ہے"۔
عورتوں کے داخلے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی جگہ مدرسہ رحیمیہ
ہے جہاں درس قرآن و درس حدیث کا باضابطہ انتظام ہے۔ بازو ہی
مسجد بھی ہے۔ مسجد کے باب الداخلہ پر جلی حروف میں " ایاک نعبد
وایاک نستعین" (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے
مانگتے ہیں)، لکھا ہوا ہے۔ "بر مزار ما غریباں نے چراغے نے گلے"
کا رنگ دیکھ کر ہماری حیرت دور ہوئی اور ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا۔
ورنہ بزرگان دین کے مزارات کے ساتھ ہند و پاک سے لے کر بغداد
تک جو سلوک روا رکھا جاتا ہے وہ سب پر روشن ہے۔ حد یہ کہ
تاج محل میں شاہ جہاں اور ممتاز کا عرس بھی ہر سال ہوا کرتا ہے۔
اور لوگ سکندرہ میں واقع اکبر کے مزار پر بھی فاتحہ پڑھا کرتے ہیں۔
اللہ اکبر!۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر سجود و رکوع اور
چومنے کی اجازت نہ دیئے جانے پر بدعتیوں کو بڑا دکھ ہے۔ شاید
اسی وجہ سے وہ موحد سعودی حکومت سے خفا اور دہریے صدام
حسین سے بہت خوش ہیں۔

نقش بندیہ سلسلے کو عوام اور مشائخین دونوں عموماً ناپسند کرتے ہیں۔ عام آدمی اس سلسلے میں داخل ہونے کی کوشش بھی نہیں کرتا کہ یہ ٹھوس علمی میدان ہے۔ یہ تصنیف وتالیف سے عبارت ہے۔ حق گوئی دبے باکی کی تعلیم دیتا ہے۔ رسومات وبدعات سے حتی الامکان دور رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں نہ چاشنیاں ہی پائی جاتی ہیں نہ چکا چوند روشنیاں ہی ہوتی ہیں۔ کم از کم شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادوں کے مزارات تو الحمدللہ محفوظ ہیں۔ یہاں خانقاہ اپنے حقیقی معنوں میں آج بھی "خانقاہ" کی طرح زندہ ہے۔

نقشبندیہ سلسلے کے تین بزرگ مظہر جان جاناں، حضرت غلام علی شاہ اور ابوسعید ابوالخیر کی درگاہ کے سجادہ نشین مفتی ابوالحسن زید فاروقی مجددی ہیں آپ نے مصر میں بھی تعلیم پائی۔ آپ کی جسارت علمی کا یہ عالم ہے کہ آپ نے عالم اسلام کے بہت بڑے مجتہد امام ابن تیمیہ کے خلاف قلم اٹھایا۔ اس کے علاوہ اپنے ہی سلسلے کے ایک مایۂ ناز بزرگ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے گھرانے کی آبرو شاہ اسماعیل شہیدؒ کے خلاف بھی بہت کچھ لکھا۔ (ملاحظہ ہو" مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویت الایمان") [1] حال ہی میں ابوالحسن زید فاروقی صاحب کی وفات ہوگئی۔

---

[1] حضرت مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی مہتمم جامعہ رحیمیہ، مہندیان، نئی دہلی ۲ نے اس کتاب کا جواب "مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور ان کے ناقد" نامی کتاب سے دیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ پیری مریدی اور بیعت وغیرہ کے معاملے میں شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم سے لے کر اشرف علی تھانوی تک سب تقریباً ایک جیسا رویہ رکھتے ہیں۔ انہی بزرگوں کی مہربانی کہ ارشد القادری صاحب کو "زلزلہ" لکھنا پڑا جس کی تعریف عامر عثمانی جیسے جید شخص نے کی۔

حیدرآباد میں نقش بندیہ سلسلے کے بانی غلام علی شاہ صاحب کے خلیفہ حضرت سعداللہ شاہ صاحبؒ ہیں جن کا مزار گھانسی بازار میں ہے۔ حضرت سعداللہؒ کے دو خلیفہ تھے۔ پیر سید محمد بخاری اور حضرت مسکین شاہ صاحب۔ حضرت سعداللہ کے دوسرے خلیفہ پیر سید محمد بخاری المعروف بخاری شاہ صاحب ہیں۔ انہی کے خلیفہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب (نل درگ عثمان آباد ضلع کے) ہیں۔ آپ نے حیدرآباد میں نقش بندیہ سلسلے کو بہت آگے بڑھایا۔ حضرت عبداللہ شاہ صاحب طبعاً نہایت متقی پرہیزگار اور بہت بڑے فقہی عالم تھے اور محدث دکن بھی کہلاتے تھے۔ ان کی کئی تصانیف خاص و عام میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ زندگی بھر آپ نے مسلک حنفی کی بڑی خدمت کی۔ آپ کا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے احادیث کے مجموعوں سے ایسی احادیث جمع کیں جن سے مسلک حنفی کی تائید ہوتی ہو اور جو زجاجۃ المصابیح کے نام سے پانچ جلدوں میں شائع ہوئیں۔ احادیث کا یہ مجموعہ مشکوٰۃ کے بالمقابل ترتیب دیا گیا ہے۔ آپ نے بڑے دلچسپ پیرائے میں یوسف زلیخا کی کہانی بھی لکھی جو "یوسف نامہ" کے نام

سے شائع ہوی۔ اس کتاب کی ترتیب میں آپ نے ریسرچ سے کام لیتے ہوئے
اسرائیلیات سے بھی استفادہ کیا جہاں کوئی نص نہ ہو اور تاریخی حقائق
کوئی رہنمای نہ کرتے ہوں وہاں عموماً اسرائیلیات سے استفادہ کرنے
والوں کی بات دلچسپ ہوجاتی ہے اور عوام کے سامنے موضوع تصویر
کھل کر آجاتی ہے۔ میلاد نامہ اور شہادت نامہ میں (شہادت امام حسین
سے متعلق کربلا کے واقعات) اور گلزار اولیاء میں نقش بندی سلسلے کے
بزرگوں کے حالات اور معراج نامہ میں معراج کے واقعات آپ نے دلچسپ
انداز میں تحریر کیے ہیں۔ زندگی بھر آپ کی خانقاہ میں علم کا چراغ جلتا رہا۔
اب آپ کے مزار پر بھی چراغاں کیا جاتا ہے۔ آپ کی مقبولیت کا وہ عالم
تھا کہ آپ کے جلوسِ جنازہ میں بلا لحاظِ مذہب و ملت تقریباً سارا حیدرآباد
شریک تھا۔ آپ کے بعد آپ کے کام کو جاری رکھنے والی کوئی اہم شخصیت
دکھائی نہیں دیتی۔ حیدرآباد میں ان سلسلوں کے علاوہ بھی بعض اور
خانقاہیں ہیں جو اپنے اپنے مسلک کا کام کیے جارہی ہیں جیسے دیندار
انجمن جو "خانقاہِ سرورِ عالم" کے نام سے مہدی پٹنم روڈ پر قائم ہے۔
اس سلسلے کے بانی سری سید صدیق حسین دیندار المعروف "صدیق
دیندار چن بسویشور" ہیں جنھوں نے لنگایتوں اور دلتوں میں تبلیغ
کی۔ ہر سال اس خانقاہ کے بانی کا عرس رجب میں منایا جاتا ہے۔
اور مختلف مذاہب کے سرکردہ علماء کو دعوتِ خطاب دی جاتی ہے۔

احمدیوں اور قادیانیوں کا سلسلہ بھی حیدرآباد میں در آیا۔ اس مسلک کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی تھے۔ دکن میں اسے مستحکم کرنے والوں میں جناب میر سعید صاحب (جن کا مسکن میر جملہ کنٹہ پر تھا) اور علاؤ الدین گھرانے کی ایک متمول شخصیت سیٹھ عبداللہ علاؤ الدین کی محنتوں کو بڑا دخل ہے۔ پاکستان میں اس سلسلے کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ سب پر ظاہر ہے۔ سر ظفر اللہ اور نوبل انعام یافتہ سائنسداں عبدالسلام صاحب بھی اسی سلسلے کے مشاہیر ہیں۔

حیدرآباد میں مہدوی سلسلے کی خانقاہیں بھی اپنے مسلک و عقائد کی تبلیغ و اشاعت کا کام کر رہی ہیں۔ چنچل گوڑہ اور مشیرآباد میں یہ آباد ہیں۔ اس سلسلے کے بانی حضرت سید محمد جونپوری تھے جنھوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ بہادر یار جنگ، پروفیسر عالم خوندمیری، جسٹس سردار علی خاں اور طالب خوندمیری اس سلسلے کی ممتاز شخصیتیں ہیں۔ عموماً یہ لوگ آپس ہی میں شادی بیاہ کرتے ہیں۔ یہ اپنے اپنے دائروں میں مصروف ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار چھوٹی بڑی خانقاہیں ہیں جو اپنے بانیان کی یادگار رہ کے رہ گئی ہیں اور جو شہر کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی ہیں جہاں اب ان کے بانی مبانی حضرات کے مزارات ہی رہ گئے ہیں۔ ہر برس پابندی سے عرس ہوا کرتا ہے۔ سماع ہوتا ہے۔ بڑی گہما گہمی رہتی ہے۔ چشتیہ سلسلے میں جہاں قوالی کی بڑی

اہمیت ہے ۔ وہیں نقش بندیہ سلسلہ ذکر و اشغال پر زور دیتا ہے دونوں کا مقصد فنا فی اللہ ہی ہے مگر فنا کا طریقہ کار الگ ہے بقول شخصے فرق بس اس قدر ہے کہ ایک عقرب گزیدہ اور دوسرا مار گزیدہ ۔

حیدرآباد میں ان خانقاہوں کے دم سے بڑی ہنگامہ آرائی رہا کرتی تھی مگر اب سماجی، سیاسی اور علمی انقلاب کی وجہ سے ان خانقاہوں کا اثر و نفوذ کم سے کم ہوتا جا رہا ہے ۔

ایک بار اور اقبال کا شعر پڑھیے ۔

مرا سبو چہ غنیمت ہے اس زمانے میں
کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو

اشاریات و کتابیات :

مکتوبات امام ربانی ۔ کپور آرٹ پرنٹنگ پریس لاہور، سن اشاعت ۱۹۶۴ء

تذکرہ شاہ ولی اللہ ۔ مکتبہ الفرقان ۔ بریلی ۔ ۱۳۶۰ھ ۱۹۴۰ء

غنیۃ الطالبین ۔ عبدالقادر جیلانیؒ ۔ اعتقاد پبلشنگ ہاؤز ۔ دہلی ۔

مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویت الایمان از ابوالحسن زید ۔ دہلی

مولانا محمد اسماعیل شہید اور ان کے ناقد ۔ از ۔ اخلاق حسین دہلوی ۔